ترجمہ قرآنِ حکیم از علامہ محمد مارماڈیوک پکتھال:
پیغامِ الٰہی کی انگریزی دان طبقے تک ترسیل کی کامیاب مثال

محمد اسلم انصاری*

بیسویں صدی میں ایک برطانوی نژاد نو مسلم اسکالر کی حیثیت سے شہرت پانے والے علامہ محمد مارماڈیوک پکتھال ۱۸۷۵ء میں ایک چرچ پادری کے ہاں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم انھوں نے ایک پرائیوٹ اسکول کے بعد ہیرو(Harrow) کے مشہور اسکول سے حاصل کی جہاں (سر) ونسٹن چرچل ان کے واحد کلاس فیلو تھے جن کی ان سے کچھ بات چیت رہتی تھی۔ ان کے اندر زبانیں سیکھنے کا قدرتی ملکہ تھا جس کا ظہور ان کی نوعمری ہی میں ہو گیا تھا، جب کہ انھوں نے فلسطین کا سفر اختیار کیا اور ایک فلسطینی شیخ سے عربی زبان سیکھی اور اسی کے سامنے اس بات کا اظہار کیا کہ وہ اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر اس نیک دل شیخ نے کہا کہ ابھی تم بہت کم عمر ہو، ابھی تمھیں اپنے وطن واپس جانا چاہیے اور پھر سوچ سمجھ کر اسلام قبول کرنا چاہیے۔ اس کے بعد بھی انھوں نے مسلم ممالک کے بہت سے سفر کیے، اور مشرقِ وسطیٰ کے ماہر کی حیثیت سے شہرت حاصل کی، اسی اثنا میں ان کی شادی ہوگئی، فلسطینی شیخ کی نصیحت کے کافی عرصے بعد انھوں نے اپنے قبولِ اسلام کا اعلان ڈرامائی انداز میں اس وقت کیا جب وہ ۲۹ نومبر ۱۹۱۷ء کو ویسٹ لندن میں واقع نوٹنگھم ہال میں مسلم لٹریری سوسائٹی کے ایک اِجلاس سے اسلام اور ترقی کے موضوع پر خطاب کر رہے تھے۔ خطاب کے اختتام پر انھوں نے اعلان کیا کہ انھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، ان کی اہلیہ ایک طویل عرصے تک اپنے آبائی مذہب (عیسائیت) پر قائم رہیں، لیکن کسی وقت وہ بھی اپنی مرضی سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئیں۔ ۱۹۲۰ء میں وہ اپنی اہلیہ کے ہمراہ برِعظیم پاک وہند میں آئے اور بمبئی کرانیکل کی اِدارت کے فرائض انجام دینے لگے۔ پہلی جنگِ عظیم کے دوران اور اس سے پہلے بھی ان کی ہمدردیاں ترکوں کے ساتھ رہیں اور اس سلسلے میں انھوں نے کئی اہم مقالے تحریر کیے اور لیکچر بھی دیے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ وہ اسی اثنا میں ایک کامیاب ناول نگار کے طور پر اچھی خاصی شہرت حاصل کر چکے تھے۔ اس حیثیت سے ڈی ایچ لارنس، ایچ جی ویلز اور ای ایم فاسٹر انھیں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ بہر حال بمبئی کرانیکل کی

* مصنف و محقق، خیابانِ جناح، سبزہ زار کالونی، بوسن روڈ، ملتان

اِدارت سے کسی وقت الگ ہو کر وہ حیدرآباد دکن پہنچے جہاں نے انھوں نے نظام حیدرآباد کے ایما سے انگریزی میں حیدرآباد کوارٹرلی کے نام سے ایک اہم ادبی اور علمی مجلہ شائع کرنا شروع کیا۔ اسی زمانے میں انھیں حیدرآباد دکن کے ایک ہائی اسکول میں ہیڈ ماسٹر مقرر کیا گیا، اور اس حیثیت میں نظام نے انھیں ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۱ء تک تین سال کی رخصت عطا کی تاکہ وہ قرآنِ کریم کا انگریزی زبان میں ترجمہ کر سکیں۔ یہ اہم کام انھوں نے ۱۹۳۰ء میں مکمل کیا۔

ترجمہ مکمل کرتے ہی پکتھال کے دل میں یہ خیال مضبوطی سے جڑ پکڑ گیا کہ جب تک ان کے اس کام پر مصر کی جامعہ الازہر سے سندِ قبولیت نہیں مل جاتی، ان کا ترجمہ عالمِ اسلام میں مقبولیت حاصل نہیں کر سکے گا۔ چناں چہ انھوں نے مصر کا سفر اختیار کیا اور جامعہ الازہر کے شیوخ کے سامنے اپنے کام کی تفصیل پیش کی۔ جامعہ کے قدامت پسندوں نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا، خاص طور پر شیخ محمد شاکر نے کسی بھی زبان میں قرآنِ کریم کا ترجمہ کرنے کی سخت مخالفت کی۔ ان کا کہنا تھا کہ سوائے عربی زبان کے، قرآن کا کسی اور زبان میں ترجمہ کرنا کفر کے ارتکاب کے مترادف ہے، بلکہ ایسے کسی بھی کام میں مدد دینے والا بھی واصلِ جہنم ہو گا۔

اس بحث و مباحثے کے دوران مصر کے علما و شیوخ کے ایک جلسے میں علامہ پکتھال نے اپنا مؤقف اس خوبی کے ساتھ بیان کیا کہ زیادہ تر لوگ اپنی رائے سے رجوع کرنے پر مجبور ہو گئے۔ علامہ پکتھال نے کہا کہ آپ کو اندازہ نہیں کہ اس ترجمے کے ذریعے اشاعتِ اسلام کے کام کو کتنی تقویت ملے گی ۔ آپ یہ نہ سمجھیے کہ اسلام اور قرآن کو سمجھنے میں آپ لوگ تنہا اور یکتا ہیں۔ اس سلسلے میں مثلاً ہندوستان کے علما کسی طرح بھی آپ سے پیچھے نہیں۔ آخر آپ کے پاس ان لوگوں میں تبلیغِ اسلام کا کیا ذریعہ ہے جن کی مادری زبان انگریزی ہے اور وہ انگریزی کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں جانتے۔ غرض علامہ پکتھال کی اس تقریر نے بڑا کام کیا۔ اہم بات یہ ہے کہ اس جلسے میں مفتی محمد عبدہ کے شاگردِ رشید علامہ رشید رضا بھی موجود تھے، جنھوں نے علامہ پکتھال کے انگریزی ترجمہ پر حرف بہ حرف نظرِ ثانی کرنے میں بہت مدد دی تھی۔ مذکورہ تقریر کے اختتام پر الازہر کے شیخ مصطفٰے المراغی نے پکتھال کو کہا کہ ”اگر آپ دل سے اس بات کے قائل ہیں کہ آپ جو کام کرنا چاہتے ہیں وہ دُرُست ہے تو پھر خدا کا نام لے کر اس کام کو اسی طرح کیجیے جس طرح آپ کرنا چاہتے ہیں، اور ہم لوگوں کے کہنے سُننے کی کچھ پروا نہ کیجیے“۔ غرض علامہ پکتھال نے یہ جنگ اپنے حسنِ استدلال اور زورِ بیان سے جیت لی اور انگریزی ترجمۂ قرآن ۱۹۳۰ء میں شائع ہو کر دنیا کے سامنے آ گیا۔ اس ترجمے کو انگریزی داں اور انگریزی خواں طبقوں میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی۔ ٹائم کے لٹریری سپلیمنٹ نے اسے A Great Literary Achievement قرار دیا۔

علامہ پکتھال اپنی اہلیہ کے ہمراہ ۱۹۳۵ء میں انگلستان واپس آئے جہاں ۱۹۳۶ء میں ان کا انتقال ہوا، وہ بروک ووڈ کے مسلم قبرستان میں دفن کیے گئے۔ چند ہی سال بعد انگریزی زبان میں قرآنِ کریم کے ایک اور مترجم بھی (یعنی علامہ عبداللہ یوسف علی) جنھیں ان کے انگریزی ترجمۂ قرآن کے حوالے سے عالمی شہرت نصیب ہوئی، اسی قبرستان میں علامہ محمد مارماڈیوک پکتھال کی قبر سے کچھ دُور سپردِ خاک کیے گئے۔[1]

سطورِ بالا میں مصری شیوخ کے ساتھ علامہ پکتھال کے مباحثے کی جو تفصیل بیان کی گئی ہے، وہ ان کے ترجمۂ قرآن کے مختصر دیباچے کو سمجھنے کے لیے بہت ضروری ہے کیوں کہ اس دیباچے میں یہ خیال کہ قرآنِ کریم ناقابلِ ترجمہ ہے، مرکزی حیثیت رکھتا ہے، یہ وہ خیال ہے جو شیخ محمد شاکر کے استدلال کا بنیادی پتھر تھا۔ علامہ پکتھال نے اس مختصر لیکن موجز پیش لفظ میں زیادہ تر زور اس بات پر صَرف کیا ہے کہ چوں کہ خود مترجم بھی اسی بات کا قائل ہے کہ قرآنِ کریم ناقابلِ ترجمہ ہے اس لیے پیشِ نظر ترجمے کو مترجم کی تفہیمِ قرآن کا پرتو سمجھنا چاہیے۔ اس خیال کی بازگشت بیسویں صدی کے اواخر میں بعض مستشرقین کے مقالات میں بھی ملتی ہے۔[2]

انگریزی ترجمہ قرآن کا یہ پیش لفظ انتہائی اختصار سے لکھا گیا ہے، اس کا انگریزی عنوان ہے Translator's Foreword یعنی مترجم کا پیش لفظ، اس کا ترجمہ بھی اسی عنوان کے ساتھ ان علمی مقاصد کے حوالے سے ذیل میں پیش کیا جاتا ہے، جو زندگی بھر علامہ محمد مارماڈیوک پکتھال کے پیشِ نظر رہے اور جن کی تکمیل ان کی زندگی کا سب سے بڑا مطمحِ نظر تھا۔

مترجم کا پیش لفظ

اس ترجمے کا مقصد جامع الفاظ اور ایسی زبان میں جو اس کے شایانِ شان ہو، مغربی دنیا کے انگریزی خواں لوگوں کے سامنے، ان کی ذہنی ضروریات اور تقاضوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، اس چیز کو پیش کرنا ہے جسے پوری دنیا کے مسلمان الفاظِ قرآن کے معانی قرار دیتے ہیں۔ نیز قرآن (الکتاب) کا تعارف بھی اس مقصد میں شامل ہے۔ یہ ادعا بہت حد تک معقول قرار دیا جاسکتا ہے کہ کسی بھی مقدس کتاب کی ترجمانی کا حق کوئی ایسا آدمی ادا نہیں کرسکتا جو اس کے الہامی ہونے پر، اور اس کے پیغام (کی صداقت) پر یقین نہ رکھتا ہو[3] یہ (قرآنِ کریم کا) پہلا انگریزی ترجمہ ہے جو ایک انگریز مسلمان نے کیا ہے۔ بعض (انگریزی) تراجم ایسے تفسیری مطالب کے حامل ہیں جو مسلمانوں کے احساسات کو مجروح کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ اور کم و بیش تمام (دوسرے انگریزی) تراجم میں ایسی زبان اور ایسا اسلوبِ بیان اختیار کیا گیا ہے جسے مسلمان پہلی ہی نظر میں قرآنِ کریم کی عظمت کے مقابلے میں فروتر محسوس کرتے ہیں۔ قرآنِ کریم کا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا، یہ قدامت پسند شیوخ کا اعتقاد ہے، اور اس مترجم کا نقطۂ نظر بھی

یہی ہے کہ (کہ قرآن کا ترجمہ نہیں کیا جاسکتا)۔ الکتاب۔ (قرآنِ کریم) کا ان اوراق میں تقریباً لفظی ترجمہ پیش کیا گیا ہے اور ترجمے میں ایسی زبان اختیار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے جو (مطالبِ قرآن کی ترجمانی کے لیے) موزوں ہو۔ لیکن اس کوشش کا نتیجہ وہ قرآنِ مجید نہیں، وہ ناقابلِ تقلید نغمۂ جاں آفریں نہیں جس کی محض سماعت ہی (لاکھوں) انسانوں کی اشک باری اور وجدانی سرشاری کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ ترجمہ محض ایک کوشش ہے کہ قرآنِ کریم کے معانی انگریزی میں پیش کر دیے جائیں۔ اور اگر ممکن ہو تو اس حسنِ بیان کی ایک جھلک (بھی دکھادی جائے جو قرآنِ کریم کا وصفِ خاص ہے) یہ ترجمہ ہرگز قرآنِ کریم کے عرب متن کا بدل نہیں ہو سکتا، نہ ہی یہ اس کا مقصد ہے (کہ یہ قرآنِ کریم کے عربی متن کا بدل بن جائے)۔

اشاعت سے پیش تر، مصر میں ایک ایسے (عالم) کی مدد سے جن کی مادری زبان عربی ہے، جنھوں نے قرآن کا مطالعہ کیا ہے اور جو انگریزی جانتے ہیں اس ترجمے کے ایک ایک لفظ پر نظر ثانی کی گئی ہے، اور ایک ایک لفظ کو خوب جانچا اور پرکھا گیا ہے۔ اور جب (بھی ترجمے کے کام میں) مصنف کو مشکلات کا سامنا ہوتا تو (اس وقت) مترجم ایک ایسے (عالم) کی طرف رجوع کرتا جسے زندہ علما میں اس موضوع پر سب سے بڑھ کر درجۂ استناد حاصل ہے[۳] (غرض) ناموزوں اور ناقابلِ قبول زبان سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ ایک یا دو مقامات پر روایتی ترجمے سے اختلاف کیا گیا ہے، لیکن حاشیے میں وہ روایتی ترجمہ بھی دے دیا گیا ہے۔

مترجم پر لارڈ لائڈ[۴] کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے جنھوں نے اسے (مترجم کو) مصر میں متعارف کرایا، اور یہ تعارف بے حد مفید ثابت ہوا، اسی طرح ڈاکٹر ایف کرینکوف کا شکریہ بھی (ضروری ہے) جنھوں نے (مترجم کو) عربی الفاظ کے وہ قدیم معانی فراہم کیے جو عام عربی لُغات میں نہیں پائے جاتے۔ قاہرہ کالج آف میڈیسن کے محمد احمد الغمروی بے کا بھی شکریہ ادا کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے مسودے پر نظر ثانی کے دوران پورے تحمل کے ساتھ گراں قدر مدد کی۔ (نظر ثانی کے) اس کام نے (ہمیں) تین ماہ تک مصروف رکھا۔ (مجھے) الازہر یونی ورسٹی کے سابق ریکٹر شیخ المصطفےٰ المراغی[۵] کا شکریہ بھی ادا کرنا ہے جنھوں نے نظر ثانی کے دوران مفید مشورے دیے اور رہنمائی کی اور عزت مآب مراد بے سلیم الحجازی[۶] کا شکریہ بھی (لازمی ہے) جن کی کوششوں سے نظر ثانی کا کام ممکن ہو سکا۔

اس ترجمے کے لیے جو مصحف شریف مستقلاً پیشِ نظر رہا یہ وہ لیتھو گراف نسخہ ہے جو ترکی کے سلطان محمد کے حکم پر الحاج محمد شکرزادہ نے ۱۲۴۶ھ میں کتابت کیا تھا۔ مقدمے اور سورتوں کے تعارفی نوٹس میں ابن ہشام (بلاق ایڈیشن ۱۲۹۵ھ) کی پیروی کی گئی ہے، کہیں کہیں بہت بعد کی لکھی ہوئی ابنِ خلدون کی سیرتِ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) (جو تاریخ ابنِ خلدون کے ضمیمے کے طور پر شائع ہوئی تھی) کے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔ سیرتِ

طیبہ کی دوسری کتابوں کا بھی مثلاً ابوالفدا کا[8] جو متاخرین میں سے ہے اور جس نے روایات کو تنقیدی نظر سے نہیں دیکھا۔ مطالعہ بھی کیا گیا ہے، لیکن اس کی پیروی نہیں کی گئی۔ مفسرین میں البیضاوی[9] اور زمخشری[10] کا ذکر یہاں ضرور کرنا چاہیے۔ تاہم نظرِ ثانی کے دوران حوالے کے لیے جلالین کی مختصر تفسیر بھی پیشِ نظر رکھی گئی۔ واحدی کی اسباب النزول[11] سے بار بار استفادہ کیا گیا ہے۔ اور احادیث کی صحت اور استناد کے لیے مترجم نے بخاری[12] پر بھروسا کیا ہے۔

جیسا کہ دیباچے کے متن اور بین السطور سے مترشح ہے، فاضل مترجم کی توجہ دو تین باتوں پر زیادہ مرکوز رہی ہے، اولاً یہ کہ ترجمے کی زبان اور الفاظ کا انتخاب ایسا ہو جو قرآنِ کریم کی عظمت کے شایانِ شان ہو۔ ثانیاً کوئی ایسا لفظ یا اسلوبِ بیان اختیار نہ کیا جائے جو قرآن کی عظمت سے فروتر ہو۔ اور ثالثاً یہ کہ ترجمہ ہر حال میں لفظ بہ لفظ ہو۔ ان کے علاوہ جس نکتے کو زیادہ سے زیادہ مبرہن کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم ناقابلِ ترجمہ ہے، اور موجودہ صورت میں جو کچھ پیش کیا جارہا ہے وہ الفاظِ قرآن کے معانی کا انگریزی میں ترجمہ ہے۔ نیز یہ کہ یہ ترجمہ کسی طرح بھی عربی قرآن کا متبادل نہیں ہے۔ اول الذکر نکتے کو چھوڑ کو باقی تمام نکات کے پس منظر میں وہ بحث ہے جو مترجم اور الازہر کے روایت پسند شیوخ کے درمیان ہوئی۔ اس پیش بندی کا اصل سبب بھی یہی لگتا ہے کہ کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ مترجم اس ترجمے کو عربی قرآن کا بدل بنانا چاہتا ہے۔ ممکن ہے اس نوع کے اندیشوں کا اظہار مصری علما کے حلقوں میں ہوا ہو، ممکن ہے کہ خود مترجم کے حاشیۂ شعور میں بھی اس قسم کا کوئی اندیشہ موجود ہو جس کا انھوں نے موکد انداز میں سدِباب کرنے کی کوشش کی ہے۔ بظاہر ایسے اندیشوں کا ایک سبب مغرب میں بائبل کے ترجموں کی صورتِ حال بھی ہو سکتی ہے۔ جس طرح بائبل کے لاطینی ترجمے کو اصل بائبل کا متبادل مان لیا گیا، پھر جس طرح اس کے انگریزی ترجمے کو لاطینی بائبل کا متبادل قرار دے دیا گیا یہ اندیشہ احتمالات سے دور نہیں تھا کہ انگریزی ترجمے کو اصل قرآنِ کریم کا بدل سمجھ لیا جائے۔ بہر حال مترجم نے حتمی طور پر اس کی پیش بندی کر دی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنے ترجمے کا عنوان The Meaning of the Glorious Koran یعنی "قرآنِ مجید کے معنی" رکھا۔

ایک اور اہم نکتہ اس پیش لفظ میں یہ اُبھرتا ہے کہ مترجم گو ترقی کے اصول پر یقین رکھتے ہیں اور اسی پر ان کا عمل بھی ہے، تاہم وہ راسخ العقیدگی سے ہر حال میں ہم آہنگ رہنا چاہتے ہیں۔ جس سفر مصر کا انھوں نے پیش لفظ میں ذکر کیا ہے اس سے قبل وہ جرمنی بھی گئے اور دیگر مستشرقین کے علاوہ شہرۂ آفاق مستشرق نولڈیکے سے بھی تبادلۂ خیال کیا۔ جب وہ برعظیم میں تھے تو علامہ اقبال کی طرح انھوں نے بھی مدراس میں اسلام کی تہذیبی اقدار پر

لیکچر دیے جو بعد ازاں The Cultural Side of Islam کے عنوان سے شائع ہوئے، ان خطبات کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے اور اکثر ایم اے اسلامیات کے نصابوں میں یا حوالے کی کتابوں میں شامل رہتے ہیں۔

فاضل مترجم نے پیش لفظ میں اس نکتے پر بھی زور دیا ہے کہ انھوں نے کوشش کی ہے کہ ان کا اندازِ بیان قرآن کی عظمت کے شایانِ شان ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں انھوں نے انگریزی نثر کے جن اسالیب کو سامنے رکھا ان میں قدرتی طور پر بائبل کے انگریزی ترجمے کی زبان تھی۔ مزید یہ کہ زبان میں authencity پیدا کرنے کے لیے انھوں نے متروک اسالیب سے بھی کچھ نہ کچھ اثر ضرور لیا، یہی وہ خصوصیت تھی جسے بعد میں آنے والے ایک معروف مترجم آربری (John Arberry) نے تنقید کا نشانہ بنایا۔ یہ اور بات ہے کہ آربری نے خود بھی شاعرانہ اور خطیبانہ اسلوب اختیار کیا جس پر اچھے خاصے اعتراض ہوئے۔) ملاحظہ کیجیے آربری کے ترجمۂ قرآن The Koran Interpreted کا مقدمہ نوشتۂ مترجم (یہاں ایک اور حقیقت کا اظہار بھی مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ جہاں تک عالمی شہرت کا تعلق ہے وہ علامہ عبداللہ یوسف علی کے ترجمے کو حاصل ہوئی، آج بھی یورپ اور مغرب کے وہ تمام لوگ جو پہلی بار قرآن سے روشناس ہونا چاہتے ہیں انھیں ایک ہی نام کی سفارش کی جاتی ہے، یعنی عبداللہ یوسف علی کا ترجمۂ قرآن۔ لیکن جہاں تک عملی استفادے کا تعلق ہے وہ سب سے زیادہ پکتھال ہی کے ترجمے سے کیا جاتا ہے (یہ راقم کا خیال ہے، ہو سکتا ہے اصل صورتِ حال کسی قدر مختلف ہو)۔ راقم نے علامہ پکتھال کے ترجمۂ قرآن کا جو ایڈیشن سامنے رکھا ہے وہ مینٹر بک ایڈیشن ہے جسے نیو امریکن لائبریری نیویارک نے ۱۹۵۴ء میں شائع کیا۔

حواشی و تعلیقات:

۱۔ علامہ محمد مارماڈیوک پکتھال کے سوانحی حالات کے لیے دائرۂ معارفِ اسلامیہ کے علاوہ آن لائن وکی پیڈیا کی ذیلی شاخ "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" کے متعلقہ سیکشنوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

۲۔ اس خیال کی بازگشت کہ قرآن ناقابلِ ترجمہ ہے، بیسویں صدی کے بعض مستشرقین کے ہاں بھی ملتی ہے، جیسے اے ایچ جانز نے اپنے ایک مضمون کے آغاز ہی میں کہا ہے کہ "قرآن کی تشریح تو کی جا سکتی ہے، اس کا ترجمہ نہیں ہو سکتا"۔ یہ اس مصنف نے اس خیال کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ قرآنِ کریم کو Imitate نہیں کیا جا سکتا۔ "قرآن میں حکایتِ یوسف کا بیان"۔ اپروچز ٹو دی قرآن، لنڈن، روٹلیج، ۱۹۹۳، ص ۳۷ تا ۷۰

۳۔ اس سیاق میں علامہ پکتھال کا اشارہ یقیناً قرآنِ کریم کے اولین مغربی مترجمین کی طرف ہے، جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:

۱۔ الیگزنڈر راس ۱۶۴۹ء (انگریزی ترجمہ)

۲۔ ریورینڈ جے ایم راڈویل ۱۸۶۱ء (ایضاً)

۳۔ ایف ایچ پامر ۱۸۴۰-۸۲ء (ایضاً)

۴۔ یہاں غالباً دو شخصیتوں کا تذکرہ ہے، ایک تو وہ جن کا ذکر پہلے ہوا یعنی وہ صاحب جن کی مادری زبان عربی تھی، جنھوں نے قرآن پڑھا تھا اور جو انگریزی جانتے تھے۔ اور جن کے ساتھ مل کر پکتھال نے اپنے ترجمے کے ایک ایک لفظ پر نظرِ ثانی کی۔ فاضل مترجم نے ان صاحب کا نام ظاہر کرنا پسند نہیں کیا۔ دوسری شخصیت وہ ہے جس کے بارے میں مترجم کا کہنا ہے کہ یہ وہ شخصیت ہے۔" جسے زندہ علما میں اس موضوع (یعنی تفہیم و تفسیرِ قرآن) پر سب سے

بڑھ کر درجۂ استناد حاصل ہے۔"ان کا نام بھی نہیں بتایا گیا، لیکن تمام قرائن اس طرف راجع ہیں کہ یہ شخصیت اس زمانے میں مصر کے سب سے بڑے عالم اور مفسرِ قرآن۔ مفتی محمد عبدہ کے شاگردِ رشید۔ علامہ رشید رضا کے سوا اور کسی کی نہیں ہو سکتی۔ علامہ رشید رضا(۱۸۶۵-۱۹۳۵) مصر کی اصلاحی تحریک کے بانیوں میں سے تھے، معروف ادیب، انشا پرداز، علم حدیث، تاریخ اور تفسیر پر دست رس تھا۔ مفتی محمد عبدہ کے ارشد تلامذہ سے تھے، اور عمر بھر اپنے شیخ سے وابستہ رہے، ممالک اسلامیہ کے کئی سفر کیے اور کئی طرح کے حالات سے گذرے۔ المنار کے نام سے ۲۴ جلدوں میں قرآنِ کریم کی تفسیر لکھی اور بعض دوسرے موضوعات پر کتابیں بھی لکھیں۔

۵۔ لارڈ لائڈ۔ اس وقت مصر اور سوڈان کے گورنر لارڈ سلون لائڈ۔

۶۔ شیخ المصطفےٰ المراغی (۱۸۸۱-۱۹۴۵) زبردست محقق اور علم تفسیر کے ماہر، تجدید و اصلاح کے داعیوں میں سے تھے، جامعۂ الازہر کے نام ور ترین مشائخ میں تھے۔ یہ بھی شیخ محمد عبدہ کے تلامذہ میں سے تھے، کچھ عرصے سوڈان کے قاضی القضاۃ کے عہدے پر فائز رہے، بعد ازاں جامعۂ الازہر کے شیخ الجامعہ مقرر کیے گئے، درمیان کے کچھ برسوں کو چھوڑ کر ۱۹۳۵ء سے وفات تک اس عہدے پر فائز رہے۔ قرآنِ کریم کی بعض سورتوں کی تفسیر کے علاوہ انھوں نے ایک کتاب قرآنِ کریم کے تراجم کے مسئلے پر بھی لکھی، کتاب کا نام ہے۔ بحث فی ترجمة القرآن الكريم الا اللغات الاجنبيه '(بحوالہ ڈکشنری آف اسلام، آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس ۲۰۰۴ء)

۷۔ فواد بک سلیم الحجازی (۱۸۹۳-۱۹۲۵) شامی جنرل جس نے متعدد معرکوں میں حصہ لیا اور گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ علمی ذوق کا حامل بھی تھا۔ اسی لیے علامہ پکتھال کے ترجمے کی نظر ثانی کے کام میں معاونت کی۔

۸۔ ابوالفداء (۱۲۷۳-۱۳۳۱) اسماعیل بن علی بن محمود الحموی معروف بہ ابوالفدائی۔ بادشاہ، جغرافیہ دان، تاریخ ادب اور اصولِ دین کا درساً مطالعہ کیا تھا، فلسفے اور طب کا بھی ماہر تھا۔ حماۃ کا بادشاہ تھا۔ اس کی تصانیف میں تاریخ ابوالفداء (المختصر فی اخبار البشر) اور تقويم البلدان کو شہرت حاصل ہوئی۔ تاریخ ابوالفداء کا فرانسیسی، لاطینی اور انگریزی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، تقويم البلدان کا بھی فرانسیسی میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔ (اسے ملک الصالح کا خطاب بھی عطا کیا گیا تھا) (بہ حوالہ انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا، آکسفورڈ ۱۹۱۱ء)

۹۔ البیضاوی (م ۱۲۸۶ء) عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی الشیرازی، ابوسعید، ابوالخیر، ناصر الدین البیضاوی۔ قاضی، مفسر، علامہ۔ شافعی معتزلی۔ معروف تصانیف میں سے چند یہ ہیں: انوارالتنزيل و اسرارالتاويل، عرف تفسير بيضاوى، منهاج الوصول الى علم الاصول، لب اللباب فى علم الاعراب وغیر ذالک

۱۰۔ زمخشری (۱۰۷۵-۱۱۴۴) محمود بن عمر بن محمد بن احمد خوارزمی زمخشری، جاراللہ، ابوالقاسم۔ تفسیر، لغت اور ادب کے امام تھے۔ تفسیر القرآن اور اساس البلاغت کے علاوہ کئی تصانیف ان کی مشہور ہیں۔ تصوف کے شدت سے مخالف تھے، کھلم کھلا معتزلی تھے، عمر بھر شادی نہیں کی۔

۱۱۔ واحدی (م ۱۰۷۶ء) علی بن احمد محمد بن علی بن متویہ۔ مفسر قرآن تھے، مشہور کتاب اسباب النزول ہے، شرح اسماء الحسنیٰ بھی لکھی، نیز ديوان متنبى شرح بھی لکھی۔

۱۲۔ بخاری، امام (۸۱۰-۸۷۰) حافظِ حدیث، صحیح بخاری کے مؤلف اور اسی حیثیت سے شہرۂ آفاق؛ تفسیر جلالین سے مراد علامہ سیوطی اور الحموی کی مشترکہ تفسیر۔

Abstract

This article aims at highlighting how Marmaduke Pickthall succeeded in benefiting the learned class of English language through his English translation of the holy Quran in 1930. The English discerning class received it with open arms and the Times Literary Supplement reckoned it to be 'a great literary achievement' as the translator had a reputation as a novel writer and the big name of English literature D H Lawrence, H G Wells and E M Foster recognised him. Allama Rasheed Raza, a disciple of Muhammad Abduho, reviewed the translation word for word. Having completed the translation, he knew that his work of translation would not be welcomed unless the scholars at Al Azhar University accept it. There was a divide between the traditional and modern point of views in Al Azhar University. Shaikh Muhammad Shakir was one of the traditional scholars who disagree to accept the translation by saying it a sheer kufr if the holy Quran translated. On the other hand, Shaikh Mustafa Al Maraghi gave him the permission to do what he wanted.

Keywords: Translation of holly Quran, divide in scholars of Al Azhar University.